دعوت الیٰ اللہ

(معنیٰ ومفہوم قرآن کی روشنی میں)

ـــــــــــــــــــسید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ بہ حیثیت داعی الی اللہ

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بعثت جس مقصد کے لیے ہوتی ہے، اس کے لیے قرآن مجید میں ایک اصطلاح 'دعوت الیٰ اللہ' کی استعمال ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً. وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً. (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو شہادت دینے والا، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور 'داعی الی اللہ' کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے اور آپ کو ساری دنیا کے لیے 'سراج منیر' بنایا گیا ہے۔

ایک جگہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنی قوم (بلکہ ساری دنیا) سے کہیے:

فَفِرُّوا إِلَى اللّٰهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ. وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ. (الذاریات: ۵۰-۵۱)

پس تم دوڑو اللہ کی طرف۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی جانب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی جانب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

یہ اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ آپ کی دعوت، اللہ واحد کی طرف دوڑنے اور اس کی رحمت تلاش کرنے کی دعوت ہے۔ ایک طرف تو آپ یہ حقیقت واضح فرماتے ہیں کہ انسان کی کامیابی کا انحصار اس امر میں ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے حقیقی کے دامن میں پناہ لے اور توحید کی راہ اختیار کرے، دوسری طرف صاف صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے انجام بد سے آپ آگاہ فرماتے ہیں۔

دعوت الی اللہ کیا ہے؟

'دعوت الیٰ اللہ' کا تصور توحیدِ خالص کا تصور ہے۔ یہ ایک خدا کی عبادت واطاعت کی دعوت ہے۔ یہ شرک والحاد سے پاک اور ان پر مبنی ادیان سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا:

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآب.
(الرعد:٣٦)

کہہ دو کہ مجھے تو بس اس کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے پلٹ کر جانا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کوئی خود ساختہ فکر و فلسفہ نہیں پیش کر رہے ہیں، بلکہ وہ دین پیش فرما رہے ہیں جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ اس کی اساس وحی الٰہی ہے۔ اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو اور شرک سے پاک ہو، کسی بھی فرد یا گروہ کو، کسی بھی مرئی یا غیر مرئی طاقت کو خدائی کا مقام نہ دیا جائے کہ اسے معبود سمجھا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔ آپ اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس کے لیے آپ اس کی طرف سے مامور ہیں۔

دعوت الی اللہ کے امتیازات

١- دنیا میں شخصی، قومی، وطنی اور ملکی تحریکات ابھرتی ہی رہتی ہیں۔ ان کی طرف دعوت بھی دی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک خاص دائرے میں ان کے اثرات بھی دیکھے جاتے ہیں، لیکن 'دعوت الی اللہ' ان سب سے مختلف ہے۔ اس کا امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک

عالم گیر دعوت ہے اور اس کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں سے ہے، چاہے ان کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے، شمال سے ہو یا جنوب سے اور ان کے درمیان رنگ روپ، زبان اور نسل کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ قرآن مجید، ہر فرد بشر کو اور نوعِ انسانی کے تمام افراد اور طبقات کو بار بار آواز دیتا ہے کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کی راہ اختیار کریں، اس لیے کہ وہی اس کا مستحق ہے۔ یہاں دو ایک حوالے دیے جا رہے ہیں:

(الف) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (البقرہ:۲۱)

اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔ توقع ہے کہ اس طرح تم خدا کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

(ب) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ.(النساء:۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا......

(ج) یٰٓاَیُّھَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ. الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ. فِیۡٓ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ.(الانفطار:۶-۸)

اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم سے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نک سک سے ٹھیک کیا اور تیری ساخت میں اعتدال رکھا اور جس صورت میں چاہا ترتیب دے کر (تجھے بنایا)۔

۲- دعوت الی اللہ درحقیقت انسانوں کی خیر خواہی اور فلاح کی دعوت ہے۔ یہ ذاتی، خاندانی اور گروہی مفاد اور نام و نمود جیسے غلط جذبات سے، جن میں مادی تحریکوں کے علم بردار ملوّث ہوتے ہیں، پاک ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول اسی اخلاص اور بے غرضی کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان ہوا اور آپ کے کسی بڑے سے بڑے مخالف کو اس کی تردید کی ہمت نہ ہوئی۔

قُلۡ لَّآ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِنۡ ھُوَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡعٰلَمِیۡنَ.(الانعام:۹۰)

کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں طلب کرتا ہوں۔ یہ تو بس سارے جہاں کے لیے نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول اس دنیا میں آئے سب ہی اس اخلاص کا نمونہ ہوتے

تھے۔ وہ اپنی بے غرضی اور قوم کے لیے اخلاص اور دردمندی کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی سیرت اس کی تائید کرتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (الشعراء:۱۰۹)	میں تم سے کوئی اجر نہیں طلب کر رہا ہوں۔ میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔[۱]

۳- انسان کی نظر محدود ہے۔ اس کے ساتھ فکر و عمل کی کمزوریاں ہیں۔ وہ ایک خاص دائرے ہی میں سوچتا ہے۔ اس کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرکے اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کبھی ایک فرد دوسرے فرد سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور کبھی ایک قوم دوسری قوم کا استحصال کرتی ہے۔ اسی سے کش مکش اور فتنہ و فساد کی راہیں کھلتی ہیں۔ 'دعوت الی اللہ' مخلوق کو خالق کی عبادت واطاعت کی دعوت ہے۔ یہ سب کے لیے ہے اور ہر ایک کی فلاح اس سے وابستہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اب تم ہی بتاؤ اس سے بہتر کون سی دعوت ہے، جو شخص اس کا علم تھامے اس سے بہتر اور مخلص داعی کون ہے؟

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (حٰم السجدہ:۳۳)	اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور (اس کے مطابق) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

دعوت الیٰ الرب

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ وہ ساری مخلوقات کا رب اور پروردگار ہے اور ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اس وجہ سے دعوت الی اللہ کو 'دعوت الیٰ الرب' بھی کہا گیا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ پر وحی و رسالت کا سلسلہ جاری تھا۔ مخالفین آپ کو اس پر عمل کرنے اور اس کی دعوت سے باز رکھنے کی جی توڑ سعی و جہد کر رہے تھے۔ یہ اس دعوت کے

---

[۱] یہی بات حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ نے کہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الشعراء، آیات ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴ ور ۱۸۰

لیے ایک طرح سے چیلنج تھا۔ اس پس منظر میں آپ کو ہدایت کی گئی کہ مخالفین اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہونے پائیں، آپ ثابت قدم رہیں اور کارِ دعوت جاری رکھیں۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (القصص:۸۷)	یہ ہرگز آپ کو اللہ کی آیات (پر عمل) سے جب کہ وہ آپ پر نازل کی جا چکی ہیں، روک نہ دیں۔ آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیے اور ہرگز مشرکوں میں نہ ہو جائیے۔

ایک جگہ اختلافِ شرائع کا ذکر ہے۔ فرمایا کہ ہر پیغمبر کی ایک شریعت رہی ہے۔ اس کے ماننے والے اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اب آپ پر یہ شریعت نازل ہوئی ہے۔ یہ ناسخ ہے دوسری شریعتوں کی۔ اس کے اسباب واضح ہیں۔ اس پر مخالفین سے بحث و تکرار بے فائدہ ہے۔ اس سے دامن کش رہیے۔

وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ. (الحج:۶۷)	آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیے۔ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔

یعنی آپ اپنے رب کی طرف، اس کے دین اور اس کی شریعت کی طرف دعوت دیتے رہیے۔ آپ راہ راست پر گام زن ہیں۔ یہ دین و شریعت کی دعوت کا حکم ہے۔ امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''آپ کی دعوت ان امتوں میں سے کسی خاص امت ہی کے لیے نہ ہو، بلکہ یہ ساری امتیں آپ کی امتِ (دعوت) اور آپ کی مخاطب ہیں۔ آپ ان کو اپنی شریعت کی دعوت دیجیے۔ آیت کے آخر میں 'ھدی مستقیم' کے الفاظ آئے ہیں۔ ہدایت سے مراد نفسِ دین بھی ہوسکتا ہے اور دین کی حقانیت کے دلائل بھی ہوسکتے ہیں۔ یہی دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یعنی جو دلائل اس کے حق میں موجود ہیں ان کے ذریعہ دعوت دیجیے۔''[۱]

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرف بھی دعوت کی نسبت کی گئی ہے۔ فرعون کے دربار

---

[۱] رازی، التفسیر الکبیر، جلد۱۲، جزء۲۳، ص۵۷۔ دار الکتب العلمیہ لبنان، ۱۹۹۰ء

میں اسی کی قوم کے ایک صاحبِ ایمان نے جس جرأت و ہمت کے ساتھ دعوتِ حق دی تھی، قرآن مجید کے اوراق میں وہ محفوظ ہے۔ اس سلسلے کی دو تین آیات یہ ہیں:

يَا قَوْمِ مَا لِيْ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجوٰةِ وَتَدْعُونَنِيْ إِلَى النَّارِ. تَدْعُونَنِيْ لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ. (المومن:۴۱-۴۲)

اے میری قوم! میرے لیے (کتنی عجیب بات ہے) کہ میں تمہیں (جہنم سے نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے (جہنم کی) آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کا شریک ٹھہراؤں، جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے اور میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں (اس خدا کی طرف) جو عزیز وغفار ہے۔

یہاں دعوت الی اللہ کو موقع کی مناسبت سے 'دعوت الی العزیز الغفار' کہا گیا ہے۔ 'العزیز' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا بیان ہے اور ساتھ ہی اس کی صفت 'غفار' کا بھی ذکر ہے کہ جو فرد یا قوم معصیت کی راہ ترک کر کے اللہ کی طرف پلٹے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا دامن مغفرت بہت وسیع ہے۔ وہ اسے معاف فرمادے گا۔ اس سے اس دعوت کی نوعیت اور اس کے مزاج کو سمجھا جاسکتا ہے۔

تبلیغِ رسالت

قرآن مجید میں دعوت کے لیے تبلیغ، ابلاغ اور بلاغ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ...(المائدہ:۶۷)

جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجیے۔

ایک جگہ فرمایا:

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ... (ابراہیم:۵۲)

... یہ لوگوں تک بات پہنچانا ہے، تا کہ اس سے انھیں ڈرایا جائے۔

اللہ کے رسول تبلیغ کا جو فرض انجام دیتے ہیں اسے 'ابلاغِ رسالۃِ رب' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا۔ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (الاعراف:۶۲)

میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور تمھارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[۱]

اس آیت میں اور بعض دوسری آیات میں 'رسٰلٰت' کا لفظ آیا ہے۔ جو جمع ہے۔ کہیں 'رسالۃ' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو واحد ہے لیکن جمع کے معنیٰ میں ہے۔[۲]

سوال یہ ہے کہ اللہ کے رسول اس کے بندوں تک جو پیغام پہنچاتے ہیں اسے 'رسٰلٰت' یعنی پیغامات سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟۔ علامہ زمخشریؒ نے اس کی بعض ممکنہ توجیہات بیان کی ہیں۔ ان میں سے پہلی توجیہ یہ ہے کہ 'رسٰلٰت' سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ پیغامات ہیں جو طویل عرصہ میں حضرت نوحؑ پر بذریعہ وحی نازل ہوتے رہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے وحی کے مختلف پہلو مراد ہیں۔ ان میں اوامر ونواہی، مواعظ، تنبیہات، بشارتیں اور ڈراوے شامل ہیں۔[۳]

اس آیت میں تبلیغِ رسالت کے ساتھ نصح کا لفظ بھی آیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر جو شرعی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، جو احکام و ہدایات دی ہیں اور جن اعمال سے منع فرمایا ہے ان

---

[۱] یہی بات حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ نے اپنی اپنی قوم سے کہی ہے۔ (الاعراف:۶۸، ۹۳)۔

[۲] قوم ثمود سے حضرت صالحؑ فرماتے ہیں: لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ. (الاعراف:۷۹) اس میں 'رسالۃ' کا لفظ آیا ہے۔ یہ مصدر ہے جو واحد کی طرح جمع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام رازی اسی مضمون کی ایک آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں- الرسالة تجری مجری المصدر فیجوز افرادها فی الجمع، التفسیر الکبیر، جلد ۱۲، جزء ۲۳، ص ۱۹۲، آیت ۱۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو: تفسیر ابن عطیہ، المحرر الوجیز، ۴/۴۴

[۳] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، ۲/ ۱۱۱۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

سے واقف کرانا۔ نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دی جائے، معصیت سے ڈرایا جائے اور ترغیب وترہیب کے اس عمل میں اپنی پوری قوت صرف کی جائے۔ فرماتے ہیں:

''لفظ 'رسٰلٰت' کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ پر کئی طرح کے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری ڈالی تھی۔ اس میں اوامر و نواہی، آخرت کے ثواب وعقاب کی کیفیت اور دنیا میں حدود اور تنبیہات کی نوعیت شامل ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر جو احسانات کیے ان کا ذکر ہے:

يَا مُوسىٰ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالاَتِي وَبِكَلاَمِي فَخُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ. (الاعراف:۱۴۴)

اے موسیٰ میں نے تم کو اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے لیے لوگوں میں منتخب کیا ہے۔ جو میں نے تمھیں دیا ہے وہ لو اور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ۔

یہاں 'رسٰلٰت' سے مراد 'اسفار' ہیں۔[2]

'اسفار' تورات ہی کا ایک حصہ ہیں، جن میں حضرت موسیٰ کو احکام و ہدایات دیے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَداً إِلَّا اللّٰهَ وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيْباً. (الاحزاب: ۳۹)

جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ (سب کا) حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

یہ آیت احکامِ شریعت کی تبلیغ کے ذیل میں آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ سے پہلے اللہ کے رسول بے خوف وخطر یہ فرض انجام دیتے رہے ہیں۔ انھیں سوائے اللہ واحد کے خوف کے کسی کا ڈر اور خوف دامن گیر نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو بھی

---

[1] رازی، التفسیر الکبیر، ج ۷، جزء ۱۴، ص ۱۲۳۔ تفسیر خازن میں بھی تبلیغ اور نصیحت کا یہ فرق موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: لباب التاویل فی معانی التنزیل مع تفسیر البغوی: ۲/ ۵۲۷، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

[2] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، بیضاوی، معالم التنزیل، ۱/ ۳۵۹، آلوسی، روح المعانی، جزء ۹، ص ۵۳

اللہ کے احکام پہنچانے میں کوئی خوف یا تردد نہیں لاحق ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول جب اس کی عبادت واطاعت کی دعوت دیتے ہیں تو یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اس عقیدے کے تحت کیسی زندگی گزارنی چاہیے۔ اس کا تعلق حالات کے لحاظ سے اخلاق، قانون، تہذیب، معاشرت وسیاست ہر شعبۂ حیات سے ہوتا ہے۔ اسی کے لیے تبلیغِ رسالت یا تبلیغِ رسالات کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یہی دعوت الی اللہ ہے۔

دعوت الی؛ اللہ کو اسی معنیٰ میں 'دعوت الی سبیل الرب' بھی کہا گیا ہے۔ یعنی یہ زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کی طرف دعوت ہے۔ ارشاد ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (النحل:۱۲۵)	دعوت دو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس دعوت کی نوعیت واضح کی گئی ہے:

قُلْ هٰــذِهِ سَبِيْـلِىْ أَدْعُوا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْـرَةٍ أَنَـا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ. (یوسف:۱۰۸)	کہو یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک راہِ حیات متعین کردی ہے۔ اسی پر چل کر وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ دعوت الیٰ اللہ کے معنیٰ ہیں اسی راستہ کی طرف دعوت دینا۔ سورۂ یوسف کی آیت کے ذیل میں ابن عطیہ اندلسیؒ کہتے ہیں:

قُلْ هٰـذِهِ سَبِيْـلِى اشارة الى دعوة الاسلام والشريعة بأسرها۔[1]	'کہو یہ میرا راستہ ہے' اس میں اسلام اور پوری شریعت کی دعوت کی طرف اشارہ ہے۔

مفسر علاءالدین خازن کہتے ہیں:

''میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں'' کے معنیٰ ہیں توحید اور دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ دین کو 'سبیل' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جو اللہ عز و جل تک پہنچاتا،

---

[1] ابن عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز: ۵/۱۵۹۔ طبع ۲۰۰۷ء، مطبوعات دولۃ قطر

(آخرت میں) ثواب اور جنت کا مستحق بناتا ہے۔[1]

صراط مستقیم کی دعوت

سبیل کے ہم معنیٰ لفظ 'صراط' بھی ہے۔ 'سبیل رب' اور 'صراط مستقیم' ایک ہی مضمون کی دو تعبیرات ہیں۔ ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی معقولیت اور آپ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کے ذکر کے بعد ارشاد ہے:

وَإِنَّکَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ. (المومنون:۷۳-۷۴)	بے شک آپ ان کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس سیدھے راستے سے منحرف ہو گئے ہیں۔

صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے[2] جس کی آپ دعوت دے رہے تھے اور جو زندگی کے ہر معاملہ میں انسان کو راہ راست دکھاتا ہے۔

سورۂ شوریٰ کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ وحی کا نزول کن طریقوں سے ہوتا ہے اور وحی کی اہمیت یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے کتاب اور ایمان کی دولت ملتی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

... وَإِنَّکَ لَتَهْدِيْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِیْ الْأَرْضِ أَلَآ إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الأُمُورُ. (الشوری:۵۲-۵۳)	بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی فرما رہے ہیں۔ یعنی اللہ کے راستہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ سن لو! اللہ ہی کی طرف تمام امور پہنچتے ہیں۔

'صراط مستقیم' سے مراد دین اسلام ہے[3] آپ اسی کی طرف راہ نمائی فرما رہے تھے۔ اس میں اصول دین بھی آتے ہیں اور ان اصول کی بنیاد پر جو شریعت نازل ہوئی

---

[1] خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل:۳/۴۲۲

[2] صراط مستقیم ای دین الاسلام، (جلالین)

[3] خازن مع بغوی:۵/۳۹۲

ہے اور مختلف امورِ حیات میں جو احکام وقوانین دیے گئے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

دورِ جاہلیت میں انسانی حقوق پامال ہورہے تھے اور حلال وحرام کے خود ساختہ طریقے رائج تھے۔ سورۂ انعام میں اس کی کسی قدر تفصیل ہے۔ اسی ذیل میں واضح کیا گیا کہ اصل دین کیا ہے؟ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، والدین کے ساتھ حسن سلوک ہو، قتل اولاد کا ارتکاب نہ کیا جائے، فواحش سے دوری اختیار کی جائے، ناحق کسی کا خون نہ بہایا جائے، یتیم کے مال کی نگہ داشت ہو، ناپ تول میں کمی نہ کی جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (الانعام:۱۵۳)

بے شک یہ میری سیدھی راہ ہے، اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اس سیدھی راہ سے دور کردیں گے۔ اللہ نے اس کا تمھیں حکم دیا ہے، تاکہ تم نافرمانی (اور اس کے نتائج) سے بچے رہو۔

آیت میں توحید اور شریعت کی بعض تفصیلات کو 'صراط مستقیم' کہا گیا۔ دوسرے تمام طریقہ ہائے حیات کے متعلق کہا گیا کہ وہ سب 'صراط مستقیم' سے پھیرنے والے ہیں۔ انھیں نہ اختیار کیا جائے۔ زمخشریؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ 'صراط مستقیم' دین اسلام ہے۔ اس سے پھیرنے والی راہیں یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور ہر نوع کی بدعات وخرافات ہیں۔ (ان سے اجتناب کا حکم ہے)۔[1]

امام رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں جو کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''آیت کے الفاظ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس سے پہلے کی آیات میں مذکور احکام کے علاوہ پوری شریعت بھی اس میں داخل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے دین اسلام کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ 'صراط مستقیم' ہے۔ حکم ہے کہ اس کے اجمال اور تفصیل سب کی اتباع کی جائے کیوں کہ اس سے انحراف گم راہی ہے۔''[2]

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل:۲/۷۷

[2] رازی، التفسیر الکبیر، ج ۷، جزء ۱۴، ص ۴

انسان ہر شعبۂ حیات میں ہدایت اور رہ نمائی کا محتاج ہے۔ اس کی فطرت اس کی پیاسی ہے۔ جب وہ دعا کرتا ہے 'اھدنا الصراط المستقیم' تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے محروم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا دین اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے اصول و کلیات بھی ہیں اور ان پر مبنی نظامِ شریعت بھی ہے۔ یہ زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہ نمائی کرتا ہے۔ اس دین کے صرف کسی ایک پہلو کو کل دین سمجھنے، اسی کو اجاگر کرنے اور زور دینے سے اس کا ناقص تصور ابھرتا ہے اور اس کی دعوت کا حق ادا نہیں ہوتا۔

دعوت الی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مکمل شکل میں پیش کیا جائے اور عقیدہ، عبادت، اخلاق، معاشرت، معیشت، تہذیب، قانون و سیاست ہر شعبۂ حیات میں اس کی ہدایات واضح کی جائیں۔

آج دنیا کا نظام انسانی فکر کی اساس پر قائم ہے۔ دعوت الی اللہ یہ ہے کہ اس کی خامیوں کو واضح کیا جائے، اللہ کے دین کو اس پورے نظام کے متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دورِ حاضر کی فکری بنیادوں اور ان کی کم زوریوں سے آگاہی ہو، دین کا صحیح فہم، اس میں گہری بصیرت اور حالات پر اس کے انطباق کی صلاحیت ہو، اس کے اصول و فروع میں فرق کیا جائے اور فروع کو اصول کے تابع رکھا جائے۔ اسے مجرد دعوے اور مذہبی عقیدے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ دلائل و براہین کے ذریعہ پیش کیا جائے اور بہتر سے بہتر اسلوب میں پیش کیا جائے۔ اس پورے عمل میں حکمت و دانائی، سوز و دردمندی اور خیر خواہی پائی جائے۔ اسی سے دعوت الی اللہ کے تقاضے پورے ہوں گے، اس کا حق ادا ہوگا اور اس کی کامیابی کی راہیں کھلیں گی۔

☆☆☆